اہلِ بدعت سے تحدیث وسماع کا حکم-علامہ احمد شاکرؒ کی آراء کا اختصاصی مطالعہ

Status of Deriving Hadith and Narration by Ahl e Bid'at, Specific Study of Allama Ahmad Shakir's Views.

Dr. Habib Ur Rahman
Assistant Professor, Dept. of Islamic Studies,
Govt. Postgraduate College, Samanabad, Faisalabad.

Abstract

Allama Ahmad Shakir was a great researcher and has a good command on religious literatures and studies. In his era, he took a great place among the scholars as a specialist in hadith, Islamic jurisprudence, Quranic interpretation, history & principals of aforementioned Subjecta. Now, he is recognized as an authority on principalities of sciences of hadith and jurisprudence. He discussed in his books regarding Sciences of hadith about narrators of hadith which are called ahl e bid'at and the status of their Ahadīth. Because, there is a huge conflict between many principalities in perspective of accepting their Ahadīth or rejecting them. In this article, based an analytical study, some of his major and innovent concepts and justified principals about ahl e bid'at are discussed which he had presented in his books or shows his research methodologies in different books with a special study on al-musnad by Imam Ahmad Bin Hanbal (r.a). The research shows his viewpoints regarding this kind of narrators that they are, with some conditions, acceptable and their Ahadīth are also should be narrated. Although, some ancient scholars do not allow with primarily conditions, which are described in this study along with their status & conditions.

***Keywords**: Ahmad Shakir, principalities, ahl e bid'at, principles of hadith, narrators.*

تعارف:

نبی کریم ﷺ کے فرامین کی حفظ و تبلیغ کا تمام تر دار و مدار ناقلینِ حدیث اور احوالِ راویان پر ہے۔ مسلم علمی تراث کا طرہ امتیاز ہے کہ مسلمانوں نے اپنے نبی ﷺ کے اقوال و فرامین کو محفوظ کرنے کے لیے ان راویانِ حدیث کی زندگیوں کو علوم کے ارتقاء کے ساتھ ہی محفوظ کر دیا۔ آپ ﷺ کے فرمودات کا ہم تک پہنچنا یقینا کسی جان گسل امر سے کم نہیں۔ جن لوگوں نے ان فرامین کو ہم تک پہنچایا محدثین و علماء عظام نے ان کے احوال و آثار اور جمیع افکار و نظریات کو مقررہ اصول و ضوابط کی روشنی میں پرکھا، اور اگر ان کا زاویہ نظر کسی بھی اسلامی فکر یا عقیدہ کے مخالف یا متصادم پایا گیا تو اس کی روایت کو قبول کرنے سے توقف کیا گیا۔ اسی طرح جس کا عقیدہ و نظریہ عین نصوصِ شریعت کے مطابق تھا اس کی روایت کو لیا گیا اور آگے پہنچانا فریضہ قرار پایا۔ مسلّماتِ دینیہ کے حوالے سے اس طرز عمل کی نظیر دیگر کسی بھی مذہب کے پیروکاروں میں ہرگز نہیں ملتی۔

چنانچہ یہ امر معروف ہے کہ کتاب و سنت کے مطابق نظریات کے ہی حاملین سے منقول تمام تر روایات عائد شروط کو پورا کرتے ہوئے مقبول و حجت ٹھہرتی ہیں تاہم جن لوگوں کے نظریات اس کے برعکس ہیں ان کی روایات کو تفتیش کے عمل سے گزارا جاتا ہے۔ وہ لوگ جن کی روایات کو اس عمل سے گزارا جاتا ہے ان میں بدعی (کتاب و سنت کے مخالف یا تاویل شدہ) نظریات کے حاملین بھی ہیں جن کے بارے محدثین کے اصول و ضوابط بہت سخت اور منظّم ہیں۔ اس ضمن میں عصرِ قریب میں علمِ حدیث پر کام کرنے والوں میں علامہ احمد شاکرؒ (م ۱۹۵۸ء) کا نام بہت نمایاں ہے۔

علامہ احمد شاکرؒ (م ۱۹۵۸ء) عصرِ قریب کی ایک نابغہ ءروزگار علمی شخصیت ہیں۔ آپؒ کا تعلق مصر کے علاقے جرجا (اسکندریہ) سے تھا۔ آپؒ ایک جید اور محقق عالمِ دین تھے، اور شرعی و اصولی علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اپنے دور میں آپ علومِ شریعہ بالخصوص حدیث تفسیر اور متعلقہ علوم و فنون میں دیگر علماء پر فائق تھے۔ ابتدائی طور پر آپ نے جب علوم کا اخذ و استفادہ شروع کیا تو اس میں غیر معمولی شغف کی بناء پر دیگر علومِ کسبیہ و دنیویہ سے لاتعلق ہو کر رہ گئے۔ آپؒ کی خدمات بالخصوص علمِ حدیث کے حوالے سے کافی معروف ہیں جن میں خاص طور پر مسندِ احمد کی تحقیق و تخریج ہے۔ علماء نے تحقیقاتِ حدیث میں ان سے خوب اخذ و استفادہ کیا ہے۔ بدعت اور اہلِ بدعت سے اخذ و سماع کے حوالے سے آپؒ کی تصریحات یا مقرر کردہ اصول کیا ہیں اس مقالہ میں ان کا جائزہ لیتے ہوئے جمہور اہلِ فن اور احمد شاکرؒ کے معاصرین کی آراء کا تقابل کیا گیا ہے۔ [1]

روایت پر بدعت کے اثرات:

نقل و بیان کے عمل میں کسی بھی ناقل یا راوی کے احوال کی دو قسمیں ہیں؛ ایک اس کے ضبط اور دوسری عدالت کے اعتبار سے۔ ان دونوں کو محدثین نے قبولِ روایت کا معیار قرار دیا ہے۔ راوی کے ضبط میں نقص ہو یا اس کی عدالت مجروح ہو تو اس کی

[1] البراجیلی، المتولی، **معالم منہج الشیخ احمد شاکر فی نقد الحدیث** (القاہرہ: مکتبہ السنہ، ۲۰۱۳ء)، ص: ۳۲

روایت لینے سے توقف کیا جاتا ہے تآنکہ اس کے شواہد یا متابعات میسر ہوں۔ان میں سے ہر ایک کی مزید ذیلی اقسام ہیں۔ ہمارے پیشِ نظر مسئلہ 'اہلِ بدعت سے تحدیث و سماع کا حکم' ہے اور یہ عدالت میں نقد کا ایک بنیادی سبب ہے۔اس حوالے سے محدثین کے اصول اور ان کے قدیم وجدید مناہج کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی بدعتی راوی کی روایت کو علی الاطلاق ردّ نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اس پر نقد کرنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ اس میں پائی جانے والی بدعت یا اعتقادی انحراف کو واضح کیا جائے تاکہ اس کے اعتقادات کی نوعیت اور ان کے ممکنہ نتائج واثرات سے صحیح واقفیت حاصل ہوسکے۔

چنانچہ اس ضمن میں محدثین کی تصریحات بہت زیادہ طویل ہیں جن کو ذیلی مباحث کے ضمن میں جامع مانع صورت میں پیش کیا گیا ہے تاکہ اہل بدعت کے حوالے سے متقدمین و متاخرین کی آراء سے نتائج اخذ کرتے ہوئے علامہ احمد شاکرؒ کے موقف کو واضح کیا جاسکے کہ آیا ان کے نزدیک بدعتی راوی اور اس کی روایت کا حکم جمہور محدثین کے موافق ہے یا پھر اس میں تنوع اور اختلاف ہے۔

ذیل میں بدعت کی تعریف اور وضاحت پیش کی جاتی ہے جس کے بعد محدثین کے اجمالی اصول و قواعد بیان کیے جائیں گے تاکہ اہل بدعت سے اخذ واستفادہ کی شرائط اور ان کی روایت کا حکم واضح ہوسکے، نیز احمد شاکرؒ کی رائے سے تقابل ہوسکے۔

بدعت کی تعریف اور اطلاقات:

لفظ بدعت 'ب د ع' سے ماخوذ ہے جس میں کسی بھی چیز میں جدت، ندرت ایجاد کا مفہوم پایا جاتا ہے۔یہ اصلاً "بدع یبدع" سے مصدر ہے جس کا معنی نئی چیز پیدا کرنا ہے۔[1]

اصطلاحی طور پر اس کی درج ذیل دو تعریفات بہت ہی اہم اور واضح ہیں جو اس کا بالکل صحیح و حقیقی معنی و مفہوم بیان کرتی ہیں، چنانچہ اس کی تعریف کرتے ہوئے ڈاکٹر محمود الطحان لکھتے ہیں:

"الحدیث فی الدین بعد الاکمال ،أو ما استحدث بعد النبی ﷺ من الاھواء والأعمال"[2]

"دین کے مکمل ہوجانے کے بعد میں کسی چیز کا اضافہ یا نبی ﷺ کی وفات کے بعد خواہشات واعمال کا اضافہ کرنا۔"

اس اعتبار سے ہر قول یا فعل جو بنا دلیل واستناد اور بغیر مستدل بہ کے ہوگا وہ بھی بدعت کہلائے گا اور ہر وہ فکری واعتقادی اور نظریاتی انحراف جو مسلّماتِ دینیہ اور متفقہ اعتقادات کے برعکس ہوگا وہ بھی بدعت شمار ہوگا۔یہ اختیاری وغیر اختیاری دونوں حالتوں میں ہوسکتا ہے۔چنانچہ اس کی دوسری تعریف جو حافظ ابن حجرؒ نے کی ہے درج ذیل ہے:

"اعتقاد ما حدیث علی خلاف المعروف عن النبی و اصحابه لا لمعاندۃ بل بنوع شبھة"[3]

"نبی اکرم ﷺ وصحابہ کرامؓ سے منقول ومعروف نظریات کے خلاف اعتقاد رکھنا محض ایک قسم کے شبہ کی وجہ سے نہ

---

[1] الفیروز آبادی، مجد الدین، **القاموس المحیط** (بیروت: الرسالۃ،۲۰۰۵ء)،۱: ۱۲۴

[2] محمود الطحان ،دکتور ،**تیسیر مصطلح الحدیث** (کراچی: مکتبہ البشریٰ،۲۰۱۰ء) ،ص:۱۰۴

[3] ابن حجر،احمد بن فضل العسقلانی، **نزھۃ النظر** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ،۲۰۰۳ء)، ص:۴۴

کہ ضد عناد رکھتے ہوئے۔"

یہ تعریف اس معنی و نوعیت میں واضح ہے کہ مسلمات وہی ہیں جو نبی اکرم اور صحابہ کرام سے ثابت ہیں اور ان کی خلاف ورزی بدعت ہے لیکن اس میں یہ سقم موجود ہے کہ اس میں وہ لوگ جو معاندانہ رویہ رکھتے ہیں اور اہل السنہ والجماعت سے منقول متواتر نظریات سے اتفاق نہیں رکھتے وہ تو اس میں شامل نہیں ہوں گے تاہم اگر اس کو علی وجہ الاولیٰ لیا جائے تو تب یہ معنی درست ہو گا کہ جس شخص کو محض شبہ ہوا وہ بدعتی ہے۔لہٰذا معاندانہ طور پر فکری و نظری اختلاف رکھنے والا تو اس کے مقابل بالاولیٰ بدعتی شمار ہو گا ۔لیکن ان دونوں کے درجات و حکم میں یقینی فرق ہو گا۔

ان کے علاوہ بھی کچھ تعریف کی گئی ہیں جن میں علامہ ابن رجب حنبلی کی تعریف بھی اہم ہے۔وہ فرماتے ہیں :

''المراد بالبدعة ما أُحدث مما لا أصل له في الشريعة يدل عليه''[1]

"بدعت سے مراد اس نئے امر کو لیا جائے گا جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو جو اس پر دلالت کر سکے۔"

اس تعریف کی رو سے تمام منسوب لوگ اہلِ بدعت و اہلِ اھواء کہلائیں گے۔اس لیے علامہ جر جانیؒ لکھتے ہیں :

''أهل الأهواء أهل القبلة الذين لا يكون معتقدُهم معتقدَ أهل السنة وهم الجبرية والقدرية والروافض والخوارج والمعطِّلة والمشبِّهة''[2]

"اہل اہواء سے مراد اہل قبلہ ہیں جن کے نظریات اہل السنت والجماعت کے نظریات جیسے نہیں ،ان میں خاص طور پر جبر یہ ،روافض ،خوارج ،معطلہ اور مشبہہ ہیں۔"

ان کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے امام یمانیؒ فرماتے ہیں :

''أهل البدع والأهواء سموا بهذا الاسم لابتداعهم لأشياء ليست من الشريعة، وهوايتهم لأمور استحسنوها فدَعَوُا الناس إلى الدُّخول فيها وهي بعيدة من الحق الأنور والشرع الأظهر''[3]

"اہل بدعت واہل اھواء کو یہ نام اس لیے دیا گیا کہ انھوں نے ایسے اعتقادات ایجاد کیے جو شریعت میں نہیں اور ان کی خواہشات نے جن
امور کو اچھا سمجھا ان کو لوگوں میں پکار پکار کر داخل کرنے کی کوشش کی حالانکہ یہ سب امور واضح حق اور غالب شریعت سے بہت دور ہیں۔"

بدعتی راوی کی درج ذیل دو اقسام ہیں :

[1] الحنبلی،ابن رجب،**جامع العلوم والحکم** (بیروت:دارالفکر،۲۰۱۴ء)،۲: ۱۱۸

[2] الجرجانی،علی بن محمد الشریف،**التعریفات** (بیروت:دارالنشر للکتب العربیۃ،۲۰۰۳ء)، ص:۵۷

[3] الیمنی،ابو محمد،**عقائد الثلاث والسبعین فرقۃ** (المدینۃ المنورۃ:مکتبۃ العلوم والحکم،۱۹۹۹ء)،۱: ۱۰

اہلِ بدعت کی پہلی قسم:

جمہور محدثین نے بدعتی راوی کی تقسیم کرتے ہوئے اس کو "بدعتِ مفسّقہ" کا نام دیا ہے ان کے نزدیک یہ ایسی بدعت ہے کہ جس کا قائل کافر قرار نہیں پاتا اس لیے کہ وہ غالی نہیں ہوتا یا اگر کسی ایسے گروہ میں سے ہو جو اہل السنہ کے منہج و عقیدے کے خلاف ہو تو اس میں غلو باقی لوگوں کی نسبت بہت کم یا ناپید ہوتا ہے جیسے کہ بعض شیعہ اور خوارج ہیں جو اپنے نظریات میں غلو نہیں کرتے اور نہ ہی ان کی ترویج کو اپنے لیے ضروری قرار دیتے ہیں۔ یہ گروہ ہوئے تو اہل السنہ والجماعت کے مخالف ہیں تاہم ان میں مخالفت بنا دلیل نہیں ہوتی بلکہ تاویلِ فاسد کرتے ہیں جو ظاہری طور پر درست یا مقبول نظر آتی ہے۔

اہلِ بدعت کی دوسری قسم:

دوسری قسم سے مراد وہ بدعتی ہیں جن کی تکفیر جمہور سلف سے منقول ہے اور تمام امت نے شرعی اصول و قواعد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے متفقہ طور پر ان کو اہل بدعت واہواء شمار کیا ہے۔ مثال کے طور پر غالی رافضی جو حضرت علیؓ میں حلول کا عقیدہ رکھتے ہیں یا ان کے قیامت سے قبل دنیا میں رجوع کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

اہل بدعت سے روایت کا حکم اور احمد شاکرؒ کا موقف

اہل بدعت اور ان کی روایت کے حکم کے حوالے سے احمد شاکرؒ کے کلام کافی عمدہ اور قدرے تفصیلی ہے۔ انہوں نے اس میں علماء اور قرونِ اولیٰ کے فقہاء کے ساتھ ساتھ ائمہ اربعہ اور ان کے مذاہب کو اختیار کرنے والے مشہور و کبار اصحاب کی آراء کا سامنے رکھا ہے۔ اور ان کے اقوال کو ہر پہلو سے جانچنے کے بعد اپنا موقف بیان کیا ہے، ان کی اس حوالے سے تصریحات مختلف کتب میں ملتی ہیں تاہم معروف ترین بحث اور اس پر احمد شاکرؒ کے کلام کو الباعث الحثیث اور الفیۃ السیوطی سے یہاں نقل کیا جارہا ہے۔ چنانچہ اس حوالے سے احمد شاکر کے کلام الباعث الحثیث اور الفیہ السیوطی کی شرح میں موجود ہے، وہ فرماتے ہیں:

> ''مسئلة: المبتدع إن كفر ببدعته، فلا إشكال في رد روايته. وإذا لم يكفر، فإن استحل الكذب رُدت أيضاً،-------------وهذا من أكبر الدعاة إلى البدعة! والله أعلم''[1]
>
> "مبتدع کی روایت کا مسئلہ، اگر اس کی تکفیر کی گئی ہے تو اس کی روایت ردّ کرنے میں کوئی شک اشکال نہیں، اور اگر تکفیر نہیں کی گئی لیکن وہ کذب کو حلال سمجھتا ہے تو اس کی روایت رد کر دی جائے گی۔ اور اگر وہ کذب کو حلال نہیں جانتا تو کیا اس کی روایت کو قبول کیا جائے گا یا نہیں؟ یا اس کے داعی ہونے یا نہ ہونے میں فرق کیا جائے گا؟ اس میں قدیم و جدید علماء کا اختلاف معروف ہے۔ اکثر علماء کا موقف ہے وہ داعی ہونے یا نہ ہونے کے حوالے سے تفصیل طلب، فرق پر مبنی ہے۔ امام شافعی سے جو منصوص ہے ابن حبان نے اس پر اتفاق کیا ہے اور کہا ہے کہ ہمارے تمام آئمہ سلف کے نزدیک

[1] احمد محمد شاکر، **الباعث الحثیث** (قاہرہ: دارالکتاب، ۲۰۰۳ء)، ص:۱۲۶

اس کی روایت سے حجت پکڑنا کسی طور پر صحیح نہیں، مجھے ان میں کسی اختلاف کا معلوم نہیں۔حافظ ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں : یہی عادلانہ فیصلہ اور بہترین رائے ہے۔لہٰذا اس حوالے سے مطلقاً منع کا قول بھی محل نظر ہے اور اہل علم کی آراء معروضہ سے ہٹ کر ہے کیونکہ ان کی کتب ان اہل بدعت کی روایات سے بھری ہیں جو بدعت کے داعی نہیں تھے۔صحیحین میں اس قبیل کی متعدد روایات ہیں جو اصول اور شواہد ہر دو اعتبار سے ہیں۔"

احمد شاکرؒ نے اس کے علاوہ کئی مقامات پر اپنے اس نظریہ کی توثیق کی ہے اور جمہور ائمہ کی تصریحات کو نقل کیا ہے، ان کے نزدیک یہ امر نصوصِ شریعت اور قرونِ اولیٰ کے فقہاء و علماء سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ان کا بیان ہے کہ امام شافعیؒ نے اس حوالے سے کہا ہے کہ میں روافض میں سے خطابیہ کے علاوہ دیگر اہل اھواء کی شہادت کو قبول کرتا ہوں کیونکہ وہ اپنے موافق نظریات رکھنے والوں کے لیے جھوٹی گواہی کو بھی جائز خیال کرتے ہیں۔امام شافعیؒ نے اس میں داعیہ وغیر داعیہ کی تعریف نہیں کی پھر یہاں یہ بات بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ اس تقسیم میں فرق کسی معنیٰ میں ہے؟حالانکہ امام بخاریؒ جیسے ائمہ نے عمران بن حطان خارجی جو کہ قاتلِ علی، عبدالرحمٰن بن ملجم کی مدح کرتا تھا اس کی روایت کو بھی صحیح میں نقل کیا ہے حالانکہ وہ بدعت کے بڑے داعیوں میں سے تھا۔ [1]

مذکورہ بالا عبارت سے اس بات کی تصریح ہوتی ہے کہ احمد شاکرؒ کے نزدیک اہل بدعت کو ترک کرنا محض اس بات پر موقوف نہیں کہ وہ بدعت کا داعی ہو بلکہ ان کا موقف اس کے برعکس ہے کہ اگر شروطِ صحت پوری ہوں تو روایت کو قبول کیا جائے گا اگرچہ وہ اس کا بہت بڑا داعی کیوں نہ ہو ! اس کی مزید تفصیل انھوں نے الفیۃ السیوطی میں ذکر کی ہے، اس حوالے سے وہ فرماتے ہیں کہ اہل بدعت واھواء کی بدعت ایسی ہو کہ اس کے قائل پر کفر کا حکم لگایا گیا ہو تو اس کی روایت کو بالاتفاق قبول نہیں کیا جائے گا جیسا کہ امام ثوریؒ سے منقول ہے ،البتہ امام سیوطی نے ثوری کے اس اتفاق کے دعوی کی تردید کی ہے اور ایک دوسرا قول بھی نقل کیا ہے جس کے مطابق ان کی روایت مطلقاً قبول کی جائے گی ، نیز ایک تیسرا قول بھی ذکر کیا ہے کہ اگر وہ جھوٹ کی حرمت کا اعتقاد رکھتا ہے تو اس کی روایت مقبول ہوگی ،اس پر مؤلف نے ابن حجرؒ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ [2]

احمد شاکر کے موقف کی توضیح:

احمد شاکرؒ کے ان اقوال میں تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ وجہ سے کافر قرار دیے جانے والے ہر راوی کی روایت ردّ نہیں کی جائے گی اس لیے کہ ہر گروہ یہ کہتا ہے کہ اس کا مخالف بدعتی، بلکہ مبالغہ کرتے ہوئے اسکی تکفیر تک پہنچ جاتے ہیں۔اگر اس بات کو لے لیا جائے مطلق طور پر تو تمام گروہوں کی تکفیر لازم آئے گی۔چنانچہ معتمد ترین قول یہ ہے کہ اس شخص کی روایت کو رد کیا جائے گا جس نے شریعت کسی متواتر امر سے انکار کیا ہو بدیہی طور پر معلوم و معروف ہو یا پھر اس کے برعکس نظریہ و عقیدہ رکھا ہو۔لہٰذا جو اس کے

[1] احمد محمد شاکر، **الباعث الحثیث**، ص:۱۲۷

[2] السیوطی، جلال الدین، **الفیہ**، تحقیق: احمد شاکر (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۲۰۰۹ء)، ص:۵۳

بر عکس ہو گا اس پر مستزاد روایت میں اس کا ضبط و حفظ اور اس کا ورع و تقویٰ بھی ملا ہو تو اس کی حدیث قبول کرنے سے کچھ بھی مانع نہیں۔

احمد شاکرؒ اس قول کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''وهذا الذی قاله الحافظ هوالحق الجدير بالاعتبار و يويد النظر الصحيح''[1]

''حافظ ابن حجر کا یہ قول ہی دراصل قبولیت کے لائق ہے نیز صحیح غور و فکر بھی اس کی تائید کرتی ہے۔''

اس کے بعد امام شافعیؒ کے مذکورہ بالا قول کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جہاں تک اس بدعت کا تعلق ہے جس سے کفر لازم نہیں آتا تو بعض محدثین نے اس کی روایت بھی علی الاطلاق قبول نہیں کی جو بلا دلیل غلو ہے۔ جبکہ بعض نے اس شرط پر اس کی روایت کو قبول کیا ہے کہ وہ کذب کو جائز سمجھنے والا نہ ہو یا اپنے مذہب کی تائید و نصرت میں اسے نشر نہ کرے، امام شافعیؒ اس حوالے سے فرماتے ہیں:

''مارأيت فی اهل الاهواء قوماً أشهد بالزور من الرافضة''[2]

''میں نے خواہش پرستوں میں روافض سے بڑھ کر ایسی کوئی قوم نہیں دیکھی جو جھوٹ پر بھی گواہی دیتی ہے۔''

احمد شاکرؒ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہماری قید۔ کہ وہ جھوٹ کو حلال نہ سمجھتا ہو۔ کا مطلب یہ ہے کہ ہم ایسے داعی سے مشروط نہیں کرتے کیونکہ یہ بات معروف ہے کہ جو شخص بھی اپنے کلام حدیث میں جھوٹ کی وجہ سے معروف ہو جائے تو اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی یا جھوٹی گواہی کا ارتکاب کرے۔ اسی طرح بعض محدثین کا یہ موقف ہے کہ بدعتی کی روایت اس وقت قبول کی جائے گی جب وہ اپنی بدعت کا داعی نہ ہو۔ لیکن اگر وہ اس کا داعی ہے تو روایت قبول نہیں کی جائے گی، امام نووی اس قول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ یہی عادلانہ اور فیصلہ کن قول ہے نیز اکثر محدثین کا یہی موقف ہے۔ امام ابو اسحاق الجوزجانیؒ نے اس میں مزید ایک شرط یہ بھی عائد کی ہے کہ وہ اگر ایسی روایت بیان کرے جو اس کے مذہب کو تقویت نہ دیتی ہو۔ [اس کے بر عکس ہو تو رد کر دی جاتی ہے]۔

یہ سب اقوال محض نظریاتی ہیں کیونکہ روایت کا اعتبار راوی کے صدق و امانت اور دین میں پختگی سے ہوتا ہے۔ چنانچہ ناظر اکثر بدعتی رواۃ کے احوال پر جب نظر دوڑاتا ہے تو اسے ان میں توثیق اور اطمینان ملتا ہے اگرچہ وہ اپنی آراء کے موافق ہی روایت کرنے والے ہوں اور کبھی اس کے الٹ بھی ہو جاتا ہے کہ متعدد روایات بیان کرنے والے کی توثیق ہی نہیں ملتی یہی وجہ ہے کہ امام ذہبیؒ نے ابان بن تغلب الکوفی کے ترجمہ میں لکھا ہے:

---

[1] السیوطی، **الفیۃ**، تحقیق: احمد شاکر، ص: ۵۳

[2] ایضاً، ص: ۵۴

''شيعي جلد،لكنه صدوق ،فلنا صدقه و عليه بدعته''[1]

''وہ شیعہ ہے اور کوڑے کھانے والا ہے، لیکن صدوق ہے، ہمارے لیے اس کا صدق (مقبول ہے) جب کہ اس کی بدعت اس پر ہے۔''

اس کے بعد انھوں نے ابان کی توثیق امام احمد سے نقل کی اور کہا ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص کہے، کسی مبتدع کی توثیق کیسے ممکن ہے؟ جبکہ توثیق کے لیے حد عدالت واتقان ہے پس کوئی شخص کیونکر بدعتی ہونے کے باوجود عادل قرار پا سکتا ہے؟

اس حوالے سے یہ امر معروف ہے کہ بدعت کی اصلاً دو اقسام ہیں:

ایک بدعتِ صغریٰ ہے جیساکہ تشیع میں بلا غلو، یہ تابعین اور تبع تابعین میں ان کے دین، صدق اور ورع کے باوجود بہت پا یا گیا ہے۔ اگر ان کی حدیث کو رد کر دیا جائے تو تقریباً آثار، نبویہ ضائع ہو جانے کا خدشہ ہے اور اس کے نقصان میں کسی کو شک نہیں۔

دوسری بدعت کبریٰ ہے جیسے رفضِ کامل اور اس میں غلو شیخین کے بارے میں گستاخانہ و نازیبا رویہ رکھنا، اور اس کی طرف دعوت دینا وغیرہ۔ اس قسم کی بدعت سے دلیل پکڑنا صحیح نہیں اور نہ ہی کوئی بات ہے۔ مجھے اس وقت ایسا کوئی راوی یاد نہیں جو اس قسم سے ہو لیکن صدق وخطا سے محفوظ ہو بلکہ کذب ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ تقیہ اور نفاق ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے، ان کی حالت کی وجہ سے روایت کیونکر قبول کی جا سکتی ہے؟

سلف کے بارے میں اہلِ رفض کی پہچان یہ تھی کہ حضرت عثمان، طلحہ، زبیر معاویہ اور علیؓ سے لڑنے والوں کی شان میں گستاخی کرتے اور ان کو گالیاں دیا کرتے تھے۔ جبکہ ہمارے زمانے میں اور ہمارے ہاں جو معروف ہے وہ یہ کہ اہلِ رفض یا غالی بدعتی وہ ہے جو ان سرداروں کی تکفیر کرے اور شیخین پر تبرا کرتا ہو، یہ بڑے درجے کا گمراہ اور کذاب شمار ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کے کلام کے بعد جو ضیمہ امام ذہبیؒ نے لکھا ہے وہی اصولِ روایت کے اعتبار سے دقیق علمی و حقیقی ضابطہ اور عملی تحقیق بھی ہے۔[2] واللہ اعلم

اس سارے کلام سے احمد شاکرؒ کا جو موقف سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک ردّ روایت کے لیے راوی کا داعی ہونا یا نہ ہونا معتبر نہیں بلکہ اصلاً اس میں بدعت کا غلو یا عدم اور نظریاتی طور پر مسلماتِ دینیہ سے متصادم و مخالف اعتقادات کا وجود ہے، چنانچہ اس کی تائید میں انھوں نے سلف میں سے امام ذہبی و ابن حجر کے اقوال کو سامنے رکھا ہے۔

ا۔ تشیع فی الروای اور احمد شاکر کا تجزیہ:

امام احمدؒ کا تشیع فی الراوی کی بابت یہ منہج ہے کہ وہ راوی میں تشیع کو بسا اوقات جب وہ غلو کی حد کو پہنچا ہو تو اس کی روایت کو رد کر دیتے ہیں اس طرح کبھی ان کی روایات کو ذکر بھی کر دیتے ہیں، بلکہ خود صراحت فرماتے ہیں کہ انھوں نے اس راوی سے روایات لی ہیں اور ان کو لکھا بھی ہے۔ چنانچہ اس کے ذیل میں چند ایک امثلہ کو بھی بیان کیا گیا تھا یہاں یہ بات ذکر کرنا مناسب ہے کہ

---

[1] الذھبی، شمس الاسلام محمد بن أحمد بن عثمان، **میزان الاعتدال** (بیروت: دارالمعرفة، ۱۹۶۳ء)، ۱: ۴

[2] السیوطی، **الفیۃ**، تحقیق: احمد شاکر ، ص: ۵۴

امام احمد نے مسند میں محض ایک یا دو روات سے اخذ و بیان کیا ہے جن میں تشیع پایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے نزدیک قابلِ اعتماد ہیں تاہم ان میں ایک "علی بن بذیمہ السوائی" ہیں جو سرداران شیعہ میں سے تھے۔ امام احمدؒ کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس غلو کا اعتبار نہیں کیا بلکہ ان کے نزدیک اس کا داعی نہ ہونا اور روایت کا شروطِ صحت پورا کرنا ہی وہ موجب ہے جس کی بناء پر روایت کو قبول کیا گیا ہے، مسند احمد میں اس کی لی ہوئی روایت درج ذیل ہے:

''حدثنا أبو أحمد حدثنا سفيان عن علي بن بَذيمة حدثني قيس بن حَبْتَر قال: سألتُ ابن عباس عن الجرّ الأبيض والَجرّ الأخضر والجرّ الأحمر؟، فقال: إن أول من سأل النبي – صلى الله عليه وسلم – وفدُ عبد القيس، فقالوا: إنا نصيب من الثَّفَل، فأيّ الأسقية؟، فقال:'لا تشربوا في الدُّبَّاء والمزفَّت والنَّقير والحنَتْم، واشربوا في الأسقية'، ثم قال:'إن الله حَرَّم عليّ'، أو 'حَرَّم الخَمرَ والميسرَ والكُوبة، وكلُّ مسكرٍ حرام'، قال سفيان: قلتُ لعلي بن بَذِيمة: ما الكُوبة؟، قال: الطَّبْل''[1]

مندرجہ بالا حدیث میں نبی کریم ﷺ سے بعض برتنوں اور کے بارے سوال کیا گیا ہے، جس کی تفصیل میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے۔ احمد شاکرؒ نے اس پر جو تجزیہ و حکم درج کیا ہے وہ ذیل میں ہے:

''إسناده صحيح، علي بن بذيمة، فتح الباء وكسر الذال المعجمة الجِزري: ثقة، وثقه ابن معين وأبو زرعة والنسائي وغيرهم، وقال أحمد:'ثقة وفيه شيء'! وقال أيضاً:صالح الحديث، ولكن كان رأساً في التشيع ''

"اس کی سند صحیح ہے، علی بن بذیمہ (باء کے فتحہ اور ذال کے کسرہ کے ساتھ) الجرزی، ثقہ ہے، ابن معین، ابو زرعہ، اور امام نسائی وغیر ھم نے اس کی توثیق کی ہے۔ امام احمد نے کہا ہے کہ یہ ثقہ ہے اگرچہ اس میں کچھ کلام ہے۔ اسی طرح ان سے دوسرا قول یہ بھی ہے مروی ہے کہ وہ صالح الحدیث ہے اگرچہ تشیع میں سردار ہے۔ "

احمد شاکر کے کلام کا تجزیہ:

مذکورہ بالا کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ احمد شاکرؒ نے امام احمد کے قول اور ان کے علی بن بذیمہ کی روایت کو اخذ و نقل کرنے کو تصحیح حدیث پر محمول کیا ہے۔ اس لیے انھوں نے امام احمدؒ کا کلام کی طرف اشارہ فرمایا اور روایت پر اسے صحیح قرار دیا۔ دوسرا امر اس حوالے سے یہ ہے کہ "علی بن بذیمہ السوائی الجرزی" پر احمد شاکر نے خود کوئی تبصرہ نہیں کیا بلکہ متقدمین کے اقوال کی روشنی میں ثقہ قرار دیا ہے اور روایت کو صحیح کہا ہے۔ معاصرین نے بھی اس پر کلام نہیں کیا اور اصحابِ سنن کو اس بطور دلیل پیش کیا ہے کہ انھوں

[1] الشیبانی، احمد بن حنبل، **المسند**، تحقیق: احمد شاکر (القاہرہ: دارالحدیث، ۱۹۹۵ء)، ۳: ۱۲۵، حدیث: ۲۴۲۶

نے اس کی روایت نقل کی ہے۔[1]

۲۔قدریہ کی روایت احمد شاکر کا تجزیہ:

امام احمدؒ نے مسند میں بعض قدریہ کے مشاہیر سے روایات لی ہیں۔ان میں خاص طور پر عباد بن منصور الناجی القاضی ہیں جن سے امام احمد نے ایک مفصل روایت مسند میں نقل کی ہے۔احمد شاکر نے اس پر نہایت تفصیلی تبصرہ کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔[2]

اس کے علاوہ معبد الجھنی" سے بھی ایک روایت نقل کی ہے جس پر احمد شاکرؒ نے مختصر تبصرہ کیا اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔چنانچہ مسند احمد نے درج ذیل روایت ان سے نقل کی ہے:

''حدثنا إسحق بن يوسف حدثنا عوف الأعرابي عن معبد الجهني عن حمران بن أبان قال: كنا عند عثمان بن عفان فدعا بماء فتوضأ، فلما فرغ من وضوئه تبسم، فقال: هل تدرون مما ضحكت؟ قال: فقال: توضأ رسول الله – صلى الله عليه وسلم – كما توضأت، ثم تبسم، ثم قال: هل تدرون ممّ ضحكت؟ قال: قلنا: الله ورسوله أعلم، قال: إن العبد إذا توضأ فأتم وضوءه، ثم دخل في صلاته فأتم صلاته، خرج من صلاته، كما خرج من بطن أمه من الذنوب''[3]

احمد شاکر نے اس پر درج ذیل تجزیہ کیا ہے اور صحت کا حکم لگایا ہے:

'' إسناده صحيح، إسحق بن يوسف: هو الأزرق، عوف الأعابي، هو ابن أبي جميلة، معبد الجهني: هو أول من تكلم في القدر بالبصرة، وكان رأساً في القدر، ولكنه تابعي ثقة، كان لا يتهم بالكذب''[4]

"اس کی سند صحیح ہے اسحاق بن یوسف وہ ازرق ہے۔عوف الاعرابی، ابن ابو جمیلہ ہے، معبد الجھنی: بصرہ پر تقدیر پر سب سے پہلے اس نے کلام کیا۔لیکن یہ ثقہ تابعی ہے۔اس کو کذب سے متہم قرار نہیں دیا جا سکتا۔"

---

[1] الشیبانی،احمد بن حنبل،**المسند**، تحقیق :شعیب ارناؤوط (مصر: مکتبۃ الرسالۃ ،۱۹۹۶ء)،۴: ۲۷۹،حدیث:۲۴۷۵

[2] الشیبانی،احمد بن حنبل،**المسند**، تحقیق:احمد شاکر،۲: ۵۳۲،حدیث:۲۱۳۰

[3] الشیبانی،**المسند**، تحقیق:احمد شاکر،حدیث:۴۳۰

[4] ایضاً

اس سے معلوم ہوا کہ امام احمد نے قدری کی روایت کو اس شرط پر قبول کیا ہے کہ وہ ثقہ ہے اور اس کی قدری ہونا موجبِ رد نہیں، جبکہ احمد شاکرؒ نے بھی اس کو درست قرار دیا ہے۔ جبکہ ''عباد بن منصور الناجی'' کی روایت پر احمد شاکرؒ کا کلام اسی نکتہ کے ارد گرد ہے۔ چنانچہ انھوں نے عباد کی روایت کو صحیح قرار دیا ہے حالانکہ اس پر تفصیلی کلام کیا ہے۔ احمد شاکرؒ کا تبصرہ درج ذیل ہے:

''إسناده صحيح، عباد بن منصور الناجي القاضي: ثقة، قال يحيى بن سعيد: ''عباد ثقة، لا ينبغي أن يترك حديثه لرأي أخطأ فيه" يعني القدر،--------ونسبه أيضاً لعبد الرزاق وعبد بن حميد وابن المنذر وابن أبي حاتم وابن مردويه''[1]

''اس کی سند صحیح ہے۔ عباد بن منصور الناجی القاضی ثقہ ہے، یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ عباد ثقہ ہے اس کی حدیث ترک کرنا صحیح نہیں محض اس رائے کی وجہ سے جس میں خطا کی یعنی قدر میں۔۔۔۔اس سب کا خلاصہ یہی ہے کہ احمد شاکر نے عباد بن منصور کے قدری ہونے کو وجہ رد قرار نہیں دیا نیز اس پر تدلیس کے الزام کو زائل کرتے ہوئے سماع کی صراحت پر مبنی روایات نقل کی ہیں۔''

احمد شاکر کے معاصرین نے بھی اس حدیث کو حسن کہا ہے اور اس کے حفظ میں کلام کیا ہے اور ساتھ ہی متابعات کا ذکر کیا ہے جو ضعف کو منجبر کرتی ہیں۔[2]

۳۔ مرجئہ کی روایات اور احمد شاکر کا تجزیہ:

مسند میں امام احمدؒ نے مرجئہ سے بھی قلیل روایات لی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ارجاء ان کی مرویات کو رد کرنے کا موجب نہیں۔ البتہ زیادات میں امام احمد کے بیٹے عبداللہ نے بعض دیگر روات مثلاً شبابہ بن سوار وغیرہ کی مرویات بھی نقل کی ہیں۔ احمد شاکر نے اس حوالے سے جو تبصرہ کیا ہے اس کی مثال درج ذیل حدیث ہے:

''حدثنا مروان بن شجاع قال: ما أَحفظهُ إلا سالماً الأَفْطَسَ الجزري ابنَ عَجْلانَ حدثني عن سِعيد بنِ جبَير عن ابن عباس قال: "الشفاء في ثلاثة: شربة عسل، وشَرطةُ مِحْجَم، وكَيَّةُ نار، وأَنهى أُمتي عن الكي''[3]

احمد شاکرؒ نے اس پر تبصرہ اور حکم لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] احمد بن حنبل، **المسند**، تحقیق: احمد شاکر، ۲: ۵۳۲

[2] احمد بن حنبل، **المسند**، تحقیق: شعیب ارناؤوط، ۴: ۳۶، حدیث: ۲۱۳۱

[3] احمد بن حنبل، **المسند**، تحقیق: احمد شاکر، ۳: ۱۶

''إسناده صحيح، سالم بن عجلان الأفطس الجزري: ثقة، تكلموا فيه من ناحية الإرجاء. وقول مروان بن شجاع "ما أحفظه" إلخ: يريد أنه سمعه من سالم بن عجلان ولكنه شك فيه بعض الشيء، وهذا الشك قد رُفع بجزمه بالتحديث عنه سماعاً في البخاري وابن ماجة''[1]

''اس کی سند صحیح ہے۔سالم بن عجلان الافطس الجزری ثقہ ہے۔ محدثین نے اس پر ارجاء کے حوالے سے کلام کیا ہے۔ مروان کا کہنا ہے کہ وہ بہترین حافظے والا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے سالم بن عجلان سے سماع کیا ہے تاہم بعض روایات میں اسے شک ہے۔اس کا یہ شک بخاری وابن ماجہ مین مذکور بالجزم سماع سے رفع کیا جاسکتا ہے۔اس حدیث کا سیاق بھی ظاہری طور پر تقاضا کرتا ہے کہ یہ عباس سے موقوف ثابت ہے لیکن آخری الفاظ ''وانھی إمتی عن الکی''اس کے مرفوع ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔بخاری نے اسے روایت (۱۰/ ۱۱۶، ۱۱۵)کے آخر میں نقل کیا ہے کہ اس نے یہ حدیث مرفوع بیان کی ہے۔پھر اس کے بعد ایک مرفوع روایت بھی ذکر کی ہے۔نیز اسی طرح ابن ماجہ (۲/ ۱۸۴) میں ہے کہ یہ حدیث مرفوع بیان کی ہے۔''

اختصاراً مذکورہ بالا کلام میں دو نکات اہم ہیں:

پہلا نکتہ یہ ہے سالم بن عجلان الافطس ارجاء کا قائل تھااور امام بخاری وابن ماجہ کے ساتھ امام احمد نے بھی اس کی روایت کو نقل کیا ہےاور اس پر ارجاء کے الزام کی وجہ سے کوئی حکم نہیں لگایا بلکہ حدیث کو اصول میں درج کیا ہے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اس حدیث کے وقف ورفع میں اختلاف ہے۔امام بخاری وابن ماجہ کی نقل کردہ روایت کے بعد انھوں نے اس کے مرفوع ہونے کو ترجیح دی ہے اور ان کے علاوہ احمد نے بنا کسی ترجیح کے اس کو نقل کیا ہے۔احمد شاکر کے نزدیک اس کا مرفوع ہونا راجح ہے اسی لیے انھوں نے امام بخاری و ابن ماجہ کے ان الفاظ کو نقل کیا ہے جو مرفوع ہونے کی تائید کرتے ہیں۔ معاصرین نے بھی اس کو صحیح کہا ہےاور سالم کو رواتِ بخاری میں شمار کرتے ہوئے اس کی روایت درست قرار دی ہے تاہم انھوں نے ارجاء کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ محض بخاری کے اس روایت لے لینے کو ہی معیار قرار دیا ہے جو اس کی توثیق کو مستلزم ہے۔[2]

۴۔زیاداتِ عبداللہ سے مرجئہ کی روایت اور احمد شاکر کا تجزیہ:

امام احمد کے بیٹے عبداللہ نے مسند میں جو روایات نقل کی ہیں اور ان کا اضافہ کیا ہے ان میں ایک روایت ایسی ہے جس میں ایک مرجی ہے اور اس پر احمد شاکر نے کلام کیا ہے، وہ روایت درج ذیل ہے:

''قال [عبد الله بن أحمد]: قرأتُ على أبي من ها هنا فأَقَرَّ به، وقال: حدثني محمد بن إدريس الشافعي أخبرنا سعيد بن سالم، يعني القَدَّاح، أخبرنا ابن جُرَيج أن إسماعيل بن أُمَيّة أخبره عن

[1] احمد بن حنبل، **المسند**، تحقیق: احمد شاکر، ۳: ۱۶، حدیث: ۲۲۰۸

[2] احمد بن حنبل، **المسند**، تحقیق: شعیب ارناؤوط، ۴: ۸۵، حدیث: ۲۲۰۸

عبد الملِك بن عُمَير أنه قال: حضرتُ أبا عُبيدة بن عبد الله بن مسعود وأتاه رجلان يتبايعان سلْعةً؟ فقال هذا: أخذتُ بكذا وكذا، وقال هذا: بعتُ بكذا. وكذا، فقال أَبو عُبيدهْ: أُتِي عبدُ الله بن مسعود في مثل هذا، فقَال: حضرتُ رسول الله – صلى الله عليه وسلم – أُتِي في مثل هذا، فأمر بالبائع أن يُسْتَحْلَف، ثم يُخَيَّرَ المُبتاع، إن شاء أخذ، وإن شاء ترك''[1]

یہ حدیث زیاداتِ عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ سے ہے جس پر احمد شاکرؒ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس کی سند ضعیف ہے،انقطاع کی وجہ سے ابو عبیداللہ بن عبداللہ بن مسعود نے اپنے باپ کو نہیں پایا جیسا کہ ہم متعدد بار کہہ چکے ہیں۔سعید بن سالم القداح ثقہ راوی ہے۔ابن معین وغیرہ نے اس کی توثیق بیان کی ہے اور بعض نے اس پر کلام بھی کی ہے محدثین کااس پر بالعموم کلام اس وجہ سے ہے کہ وہ ارجاء کا قائل تھا۔امام بخاری نے التاریخ الکبیر (۲/ ۱/ ۴۴۱) میں اس کا ترجمہ نقل کیاہے اور لکھاہے کہ وہ ارجاء کا قائل تھا۔میں (احمد شاکر) یہ کہتا ہوں کہ یہ کوئی ایسی وجہ نہیں کہ جس کی بناپر اس طرح کے سچے اور اپنی احادیث سے صحیح واقفیت رکھنے والوں کی تضعیف کی جائے اس حدیث کو امام بیہقی (السنن الکبریٰ: ۵/ ۳۳۲) نے بطریق ''احمد بن عبید الصفار عن عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ نقل کیا ہے۔''[2]

اس کا مطلب یہی ہے کہ احمد شاکر کے نزدیک بھی جب کسی راوی میں شروط صحت کامل ہوں اگرچہ وہ عقیدے میں قدرے ارجاء وغیرہ کا قائل ہو تو اس کی روایت کو قبول کیا جائے گا، نیز اس کا یہ ارجاء اس کی روایات کو ردّ کرنے کا موجب نہیں۔

خلاصہ ونتائج بحث:

کسی بھی روایت کے راوی کے ضبط میں نقص ہو یا اس کی عدالت مجروح ہو تو اس کی روایت لینے سے توقف کیا جاتا ہے تآنکہ اس کے شواہد یا متابعات میسر ہوں۔ان میں سے ہر ایک کی مزید ذیلی اقسام ہیں۔ ہمارے پیشِ نظر مسئلہ 'اہل بدعت سے تحدیث و سماع کا حکم' ہے اور یہ عدالت میں نقد کا ایک بنیادی سبب ہے۔

اس حوالے سے محدثین کے اصول اور ان کے قدیم وجدید مناہج کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی بدعتی راوی کی روایت کو علی الاطلاق ردّ نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اس پر نقد کرنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ اس میں پائی جانے والی بدعت یا اعتقادی انحراف کو واضح کیا جائے تاکہ اس کے اعتقادات کی نوعیت اور ان کے ممکنہ نتائج واثرات سے صحیح واقفیت حاصل ہوسکے۔

کتاب وسنت کے مطابق نظریات کے ہی حاملین سے منقول تمام تر روایات عائد شروط کو پورا کرتے ہوئے مقبول و حجت ٹھہرتی ہیں تاہم جن لوگوں کے نظریات اس کے برعکس ہیں ان کی روایات کو تفتیش کے عمل سے گزارا جاتا ہے۔ وہ لوگ جن کی روایات کو اس عمل سے گزارا جاتا ہے ان میں بدعی (کتاب وسنت کے مخالف یا تاویل شدہ) نظریات کے حاملین بھی ہیں جن کے

[1] احمد بن حنبل، **المسند**، تحقیق: احمد شاکر، ۴: ۲۵۹

[2] ایضاً

بارے محدثین کے اصول وضوابط بہت سخت اور منظّم ہیں۔امام احمد بن حنبلؒ نے اس حوالے سے گراں قدر توضیحات منقول ہیں جو اصولی نوعیت کی حیثیت سے معروف ہیں۔ جبکہ ان کی کتاب پر تحقیق کرنے والوں میں علامہ احمد شاکرؒ (م ۱۹۵۸ء) کا نام بہت نمایاں ہے، جنھوں نے ان کے اصولوں کی تطبیق اور تحقیق کی ہے۔

جہاں تک اہلِ بدعت سے تحدیث وسماع اور ان کے حکم کا تعلق ہے اس بارے امام احمد بن حنبلؒ اور علامہ احمد شاکر کو موقف ورائے کا مطالعہ کرنے سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

احمد شاکر کے نزدیک اہل بدعت کو ترک کرنا محض اس بات پر موقوف نہیں کہ وہ بدعت کا داعی ہو بلکہ ان کا موقف اس کے برعکس ہے کہ اگر شروطِ صحت پوری ہوں تو روایت کو قبول کیا جائے گا اگرچہ وہ اس کا بہت بڑا داعی کیوں نہ ہو۔

اس کی مزید تفصیل انھوں نے الفیۃالسیوطی میں ذکر کی ہے اور تین اقوال میں اس بحث کو سمیٹا ہے؛

پہلا یہ کہ اہل بدعت واھواء کی بدعت ایسی ہو کہ اس کے قائل پر کفر کا حکم لگا یا گیا ہو تو اس کی روایت کو بالاتفاق قبول نہیں کیا جائے گا جیسا کہ امام ثوری سے منقول ہے،البتہ امام سیوطی نے ثوری کے اس اتفاق کے دعوی کی تردید کی ہے۔

دوسرا قول یہ نقل کیا ہے جس کے مطابق مذکورہ بالا طبقہ کی روایت مطلقاً قبول کی جائے گی۔

تیسرا قول بھی ذکر کیا ہے کہ اگر وہ جھوٹ کی حرمت کا اعتقادہ رکھتا ہے تو اس کی روایت مقبول ہو گی،اس پر احمد شاکرؒ نے ابن حجرؒ کا قول نقل کیا ہے۔

اسی طرح مسند احمد میں اختصاصی مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ احمد شاکر کے نزدیک بھی جب کسی راوی میں شروط صحت کامل ہوں اگرچہ وہ عقیدے میں تشیع کی طرف مائل ہو یا اس میں قدریہ کے افکار کی آمیزش ہو یا اس میں ارجاء وغیرہ کا ثبوت مل جائے اور وہ اس کا قائل بھی ہو تو اس کی روایت کو قبول کیا جائے گا، نیز یہ عقائد محض ان کی روایات کو ارجاء کو ردّ کرنے کا موجب نہیں۔